IQBAL REVIEW (66: 2)
(April – June 2025)
ISSN: P0021-0773
ISSN: e3006-9130

بانگ درا کے سو سال کا تحقیقی جائزہ

Bāng-e-Darā ke Sau Sāl kā taḥqīqī Jā'izah

ڈاکٹر محمد رمضان
شعبہ اردو،
دی اسلامیہ یونیورسٹی،
بہاول پور

ABSTRACT

In 2024, a hundred years will have passed since the publication of "Bang-e-Dra." This Urdu collection by Allama Iqbal was published quite late, primarily because Iqbal, due to his various commitments, often found himself distracted from focusing on the arrangement and publication of "Bang-e-Dra." His Urdu poetry enjoyed immense popularity among the public. His verses were published in various newspapers and magazines, or he would recite them at gatherings, leading people to copy them down. However, there was a risk of many errors in the poetry published in newspapers and magazines. Additionally, there were some verses that he did not want to publish. Despite this, he had a persistent desire to complete this work as soon as possible. Friends and admirers continuously urged him through letters to compile and publish his collection of poetry. The

selection for publication was a challenging phase for him. Some of his poems were of a very personal nature, and he believed that no one had the right to read them; in fact, he had discarded some of them. Iqbal began the work of arranging his Urdu poetry collection around 1911, but due to a lack of time, he could not complete it until 1924. This essay attempts to explore the issues that caused the delay in the publication of "Bang-e-Dra" and how, after careful selection, many other poets' works were mistakenly attributed to Iqbal under the name of "discarded works," leading to numerous misunderstandings. When this poetry was eventually published in the form of "Bang-e-Dra," what was the status of the revisions, additions, and discards made during the selection process? "Bang-e-Dra" has powerfully represented the feelings and emotions of individuals from every school of thought throughout a whole century of our national, literary, and political history. This collection awakened a complacent and inactive nation and motivated it toward action. The poetry included in this collection united the Muslims of the subcontinent and made them realize that nations are formed not by territories but by ideologies. Ultimately, this message became the voice of the youth of India. The echoes of this message were heard in the Address at Allahabad, and it was on the basis of this concept that the attainment of a separate independent Islamic state became possible.

Keywords: Allama Iqbal. National unity. National Poetry - Our Responsibilities - Allahabad Sermon. Demand for Pakistan, the establishment of Pakistan. A hundred years, Message of awareness.

بانگِ درا نے ہماری ملی، ادبی اور سیاسی تاریخ کی ایک پوری صدی میں ہر مکتبہ فکر سے تعلق رکھنے والے فرد کے احساسات و جذبات کی بھرپور ترجمانی کی ہے۔[1]

اقبالؔ کا ترانہ بانگِ درا ہے گویا
ہوتا ہے جادہ پیما پھر کارواں ہمارا

اس مجموعے نے ایک غافل اور بے عمل قوم کو بیدار کر کے عمل کی طرف مائل کیا۔ عزم و ہمت کا یہ قافلہ جب یقین کی دولت سے مالا مال ہو کر جادہ پیما ہوا تو اسے پاکستان جیسی خوب صورت منزل نصیب ہوئی۔ اسی مجموعہ میں شامل کلام نے برصغیر کے مسلمانوں کو یکجا کیا اور انہیں یہ احساس دلایا کہ قومیں اوطان سے نہیں بلکہ نظریات سے بنتی ہیں۔ اسی مجموعے کے توسل سے اقبال نے مسلمانوں کو قومِ رسولِ ہاشمی کے بنیادی عناصر سے روشناس کرایا۔

اپنی ملت پر قیاس اقوامِ مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قومِ رسول ہاشمی
ان کی جمعیت کا ہے ملک و نسب پر انحصار
قوت مذہب سے مستحکم ہے جمعیت تری

بالآخر یہی پیغام ہندوستان کے پیر و جواں کی آواز بنا۔ اسی پیغام کی بازگشت خطبہ آلہ باد میں سنائی دی اور پھر اسی تصور کی بنیاد پر ایک الگ آزاد اسلامی ریاست کا حصول ممکن ہوا۔ بانگِ درا نے نہ صرف فکری اعتبار سے غافلوں کو بیدار کیا بلکہ اس نے اردو زبان و ادب کو نئے الفاظ، نئی تراکیب، نئی اصطلاحات، نادر تشبیہات، نئے شعری تجربات، اور نت نئے قوافی سے اردو زبان و ادب کو مالا مال کیا۔

دنیا کے بے شمار تخلیق کاروں کے سوانحی مطالعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کے یہاں زندگی میں ذاتی یا نفسیاتی اعتبار سے کبھی کبھی تخلیقی خلا پیدا ہو جاتا ہے۔ غالب جیسے عظیم تخلیق کار کے زندگی میں بھی ہمیں یہ تخلیقی تعطل ملتا ہے۔ غالب کی زندگی کے آخری دور میں ان کی شعری تخلیقات کم ملتی ہیں۔ ۱۸۵۷ء کے بعد ان کی زیادہ تر تخلیقات ان کے نثری خطوط ہیں۔ دراصل یہ زندگی کا وہ حصہ ہوتا ہے جب کوئی شاعر اپنی تخلیقی صلاحیتوں کے تمام جوہر دکھا چکا ہوتا ہے۔ اقبال وہ تخلیق کار ہیں جن کا تخلیقی سفر تقریباً ۴۶ سال تک جاری رہا لیکن ان کی زندگی میں ہمیں تخلیقی تعطل نظر نہیں آتا۔ ان کا تخلیقی جوہر آغاز شباب سے لے کر دم واپسیں تک ہر دم جواں اور پیہم رواں رہا۔ اس دوران ان کی

شاعری میں کئی موڑ آئے مگر ذہن ارتقا کی طرف مائل رہا۔ اقبال کی شاعری کا آغاز سیالکوٹ میں ہوا تھا لیکن اس کا باقاعدہ ارتقا آپ کے لاہور آنے سے ہوا۔

دیکھا جائے تو ۱۸۹۳ء سے مارچ ۱۹۰۵ء تک ان کی شاعری میں مقامیت کا رنگ غالب ہے۔ ان کے تخیل کا جغرافیہ ہندوستان تک محدود نظر آتا ہے پھر اس کے بعد ایشیا تک وسیع ہوتا ہے اور دیکھتے ہی دیکھتے تمام کائنات کے گرد پھیل جاتا ہے۔ یوں کہہ لیجئے کہ وہ مقامیت سے آفاقیت کی طرف گامزن رہے۔ یورپ جا کر انہیں اندازہ ہوا کہ دنیا کتنی وسیع ہے۔ اس کے اصل مسائل کیا ہیں؟ اس لیے جب وہ یورپ سے واپس آئے تو ان کی سوچ میں انقلاب پیدا ہو چکا تھا۔ اب وہ علاقائیت اور تصوراتی حدوں سے نکل کر ہمہ وطنیت اور بین الاقوامیت کی آزاد فضاؤں میں داخل ہو رہے تھے۔

ان کی شاعری کا منصب اب محض فطرت نگاری اور مقامی معاملات تک محدود نہیں تھا بلکہ ان کی شاعری اب پیامبرانہ منصب کی حدود میں داخل ہو رہی تھی۔ اسی فکری ارتقا کے بعد علامہ اقبال نے اپنا پہلا اردو مجموعہ کلام بانگ درا شائع کیا۔

یہ مجموعہ بہت تاخیر سے منظر عام پر آیا اس کی وجہ یہ تھی کہ اقبال اپنی گوناگوں مصروفیات کی وجہ سے کبھی اس طرف توجہ دیتے اور کبھی دوسرے کاموں میں الجھ جاتے تھے۔ اقبال کے اُردو کلام کو عوام الناس میں بے حد مقبولیت حاصل تھی۔ اُن کا کلام مختلف اخبارات اور رسائل میں چھپ رہا تھا یا خود وہ محافل میں سناتے تو لوگ اُن کی نقل کر لیتے تھے۔ اخبارات و رسائل میں شائع ہونے والے کلام میں کتابت کی غلطیاں موجود تھیں۔ اس کے علاوہ بہت سے اشعار، الفاظ اور نظمیں ایسی تھیں جنہیں اقبال شائع نہیں کرنا چاہتے تھے لیکن اُن کے پاس اتنی فرصت نہیں تھی کہ وہ اس طرف توجہ دے سکیں کہ اُردو کلام کا مجموعہ مرتب ہو سکے۔ اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ آپ ۱۹۰۵ء میں حصول تعلیم کے لیے انگلستان چلے گئے، اس دوران انھوں نے چھوٹی بڑی تقریباً ۲۴ نظمیں لکھیں۔

۱۹۰۸ء میں یورپ سے واپس آ کر چند خانگی معاملات سے واسطہ رہا۔ اسی دوران آپ کی والدہ ماجدہ کا انتقال ہوا۔ اس دوران آپ کا زیادہ تر رجحان فارسی کی طرف رہا۔ انھوں نے اس دوران فارسی مثنوی اسرار خودی تصنیف کی جس میں ان کا مقصد تھا کہ یہ ہندوستان تک رہے اور کم از کم حلقے تک رہے کیونکہ ہندوستان میں اس وقت فارسی سمجھنے والے بہت کم لوگ تھے۔ مگر یہ سمندر کا سینہ چیر کر یورپ تک جا پہنچی، اس کے آپ کی توجہ رموز بے خودی کی طرف مبذول رہی ۱۹۱۸ء میں رموز بے خودی کے آنے

کے بعد بھی آپ کا رجحان فارسی کی طرف رہا جس کے نتیجے میں ۱۹۲۲ء میں پیام مشرق منظر عام پر آئی۔ یہ چیدہ چیدہ مسائل تھے جن کے باعث بانگ درا کی اشاعت میں تاخیر ہوئی۔

لیکن اس کے باوجود اقبال کے دل میں یہ خواہش موجود رہی کہ جلد از جلد یہ کام مکمل ہو۔ دوست اور مداح بھی مسلسل خطوط کے ذریعے تقاضا کر رہے تھے کہ وہ اپنا مجموعہ کلام مرتب کریں۔

۱۱مارچ ۱۹۰۳ء کے ایک خط میں منشی سراج الدین کو لکھتے ہیں:

ترتیبِ اشعار کی خود مجھے فکر ہو رہی ہے مگر یہ خیال ہے کہ ابھی کلام کی مقدار تھوڑی ہے۔ بہر حال جب یہ کام ہو گا تو آپ کے صلاح مشورے کے بغیر نہ ہو گا۔ (۲)

اقبال کے اکثر خطوط سے ظاہر ہوتا ہے کہ انہوں نے مجموعہ کی ترتیب کا کام تقریباً ۱۹۱۱ء سے شروع کیا لیکن فرصت نہ ملنے کے باعث وہ اس کام پر مکمل توجہ مرکوز نہ رکھ سکے۔

۳اپریل ۱۹۱۹ء کو مولانا سیّد سلیمان ندوی کے نام آپ نے اپنے ایک مکتوب میں اُردو کلام کا مجموعہ شائع نہ ہو سکنے کی وجہ بیان کی، لکھتے ہیں:

مجموعہ اب تک مرتب نہ ہو سکنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اب ان تمام نظموں پر نظر ثانی کرنا چاہتا ہوں جس کے لیے فرصت نہیں ملتی۔ ان شاء اللہ بعد از نظر ثانی شائع کر دوں گا۔ (۳)

الفاظ، تراکیب، موضوعات پر کڑی نظر ثانی اور کاٹ چھانٹ کے بعد بالآخر بانگِ درا شیخ عبد القادر کے تحریر کردہ مفصل دیباچے کے ساتھ پہلی بار ستمبر ۱۹۲۴ء کو کریمی پریس لاہور کی جانب سے شائع ہوئی۔ بانگِ درا کی مقبولیت کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ اس سے پہلے اقبال کا فارسی کلام ہی یک جا ہو کر کتابی شکل میں آیا تھا اور فارسی کلام سے صرف اہلِ علم ہی استفادہ کر سکتے تھے لیکن اُردو کلام سے ہر ایک مستفیض ہو رہا تھا۔

بانگِ درا جب منظر عام پر آئی تو عوام الناس نے خوب پذیرائی بخشی اور اہلِ علم و دانش نے اس پر اپنی رائے کا اظہار بھی کیا۔ مولوی عبد الحق نے رسالہ اُردو اکتوبر ۱۹۲۴ء کی اشاعت میں بانگِ درا پر تبصرہ کرتے ہوئے۔ مولوی عبد الحق نے لکھا تھا

جس شاعر کی ابتداء "کوہِ ہمالہ" ہو اُس کی انتہا کیا ہو گی۔ اقبال کے لیے اس میں نیک شگون پاتا ہوں۔ (۴)

اس مجموعے کی ترتیب کے دوران علامہ اقبال نے تقریبا ۵۵ فیصد کلام میں ترامیم و اضافے کیے۔ اسی کاٹ چھانٹ کے دوران ان کو بہت سا کلام ایسا لگا جو ان کے اس وقت کے مزاج اور معیار پر پورا نہیں اترتا تھا وہ متروک کر دیا۔ اقبال نے زیادہ تر ۱۸۹۳ء لے کر ۱۹۰۵ء تک کے کلام کو متروک کیا۔ ۱۹۰۵ء سے لے کر ۱۹۰۸ء تک کے کلام میں بھی کافی ترامیم و اضافے ہیں لیکن اس دوران کی متروکات

پہلے دور سے کم ہیں۔ ان ترامیم و اضافوں اور کاٹ چھانٹ سے اقبال اپنے ہی کلام کے ایک بہت بڑے ناقد ثابت ہوئے۔ اس کاٹ چھانٹ میں وہ ہر جگہ مقامیت کو آفاقیت پر قربان کرتے نظر آتے ہیں۔ کلام میں ترامیم و اضافوں کے علاوہ انہوں نے اپنی ۱۸ نظموں کے عنوانات تبدیل کیے۔ ایک نہایت ہی لغو تاثر یہ دیا جاتا ہے کہ ۱۹۲۴ء میں اقبال کے پاس اپنا سارا کلام موجود نہیں تھا اس لیے وہ شامل نہیں کر سکے۔ یہ نہایت فضول بات ہے اقبال اپنے پہلے اردو کلام کے مجموعہ کی اشاعت کے لیے ۱۹۰۳ء سے سنجیدہ تھے اور وہ اس پر لگے ہوئے تھے مگر درمیان میں کوئی نہ کوئی واقعہ ضرور رونما ہو جاتا جس کی وجہ سے یہ کام جلد ممکن نہیں ہو سکا۔

جو کلام ان کے پاس موجود نہیں تھا وہ دوستوں کو خطوط لکھ کر منگوا لیا گیا۔ لہٰذا ۱۹۱۹ء تک ان کے پاس ارد گرد بکھرا ہوا تقریباً سارا کلام پہنچ گیا تھا۔

اقبال نے بانگِ درا کے لیے اپنے کلام کا بڑا کڑا انتخاب کیا۔ کہیں نظموں کے عنوانات تبدیل کیے کہیں پوری نظمیں ان کے معیار پر پورا نہیں اتر سکیں۔ کہیں بند تبدیل کیے کہیں اشعار میں تبدیلی کی اور کہیں مصروں میں رد و بدل کر کے بانگ درا کو شائع کیا۔ جو لوگ کہتے ہیں کہ بانگ درا عجلت میں شائع ہوئی تھی اور اقبال کا بہت سا کلام شائع ہونے سے رہ گیا تھا اس لیے اب ہم باقیات شائع کروا کر بہت بڑا کارنامہ سر انجام دے کر اقبال پر احسان کر رہے ہیں ان کا یہ گمان صحیح نہیں ہے۔ اقبال کے کڑے انتخاب اور حسن انتخاب کو دیکھ کر کوئی بھی شخص داد دیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ میں عرصہ بائیس سال سے متروکات پر کام کر رہا ہوں اس لیے آپ کی توجہ ایک خاص جانب دلانا چاہتا ہوں کہ اقبال نے بانگ درا کو جن تین ادوار میں تقسیم کیا ہے ان ادوار میں سے ہر دور کی پہلی نظم اس دور کے کلام کی نوعیت کی نشاندہی یا اعلان کر رہی ہے کہ اس حصے میں اقبال کے فکری رجحانات کیا ہیں مثلاً پہلے دور کی پہلی نظم "ہمالہ" ہے تو ہمالہ بلندی کی علامت ہے اس دور میں وہ کلام شامل ہے جب اقبال کے جذبے تازہ جواں اور بلند تھے۔ وہ آسماں کی بلندیوں پر جانا چاہتے ہیں۔ ان کے خیالات اور ارادے بلند ہیں وہ فضاؤں کی وسعتوں میں اپنا بسیرا چاہتے ہیں۔

دوسرا دور ۱۹۰۵ء سے ۱۹۰۸ء تک کا ہے اس دور میں وہ یورپ میں رہے۔ رنگین فضا، دوستوں کی محافل اور جذباتی کشمکش اس دور کی پہلی نظم محبت ہے۔ یہ نظم ہی اس دور کے کلام کا اعلان کرتی ہے کہ اس دور کی تمام منظومات کا تعلق اقبال کے جذباتی اور خوبصورت دور سے ہے۔ سوائے ایک دو نظموں کے

باقی تمام شاعری اسی دور کی ہے، محبتوں کے اس دور میں وہ اتنے مگن ہیں کہ اس دور کا کلام سب سے کم ہے۔

تیسرے دور کی پہلی نظم "بلاد اسلامیہ" ہے۔ یہ اس بات کا اعلان ہے کہ اب وہ مقامیت سے نکل کر آفاقیت میں گم ہو چکے ہیں۔ اب ان کے نزدیک وطن، ذات، مظاہر فطرت سے دل بہلاؤ کی بجائے ان کے سامنے جو کینوس ہے وہ نیل کے ساحل سے لے کر تابخاک کاشغر اور زمین کی پستیوں سے لے کر عرش کی بلندیوں تک پھیل چکا ہے۔ اب وہ سارے جہاں سے اچھا ہندوستان کی بجائے ہم سایہ جبرائیل امین ہیں۔ بظاہر تو یہ ۱۹۲۴ء تک کا دور ہے مگر اقبال کے دمِ واپسیں تک یہ کیفیت برقرار رہتی ہے۔ اس لیے اقبال نے اپنا کلام جو متروک کیا وہ عجلت میں نہیں بلکہ نہایت ہوش مندی سے متروک کیا اس کلام میں کئی طرح کے نقائص اور خدشات موجود ہیں جن کو اقبال نے ملحوظ رکھا۔ اپنی زندگی میں ہی اقبال نے کچھ ذاتی نوعیت کی نظمیں، خطوط اور دیگر کاغذات تلف کر دیے تھے۔ انہیں اندازہ تھا کہ باقیات والے سمجھیں گے کہ یہ بھی اقبال کو نظر نہیں آئے۔ لہٰذا یہ ملی فریضہ ہم نبھاتے ہیں۔ باقی بہت سی چیزیں ۱۹۵۰ء تک کی دہائی میں ان کی وفات کے بعد ضائع کر دی گئی تھیں۔

متروک کلام کی حیثیت یہ ہے کہ نہ تو اس کلام کو عام لوگوں تک پہنچایا جا سکتا ہے اور نہ ہی اسے چھپایا جا سکتا ہے نہ اسے کہیں گایا جا سکتا ہے اور نہ عوامی جلسوں میں سنایا جا سکتا ہے۔ اسے کسی بھی سطح کے تعلیمی نصاب میں شامل نہیں کیا جا سکتا اور نہ ہی اس کے ذریعے ان کے فکری ارتقا کا جائزہ لیا جا سکتا ہے۔ اقبال نے اپنے کلام کی ترتیب ہی اس انداز سے کی ہے کہ ان کے فکری اور فنی ارتقا کا جائزہ خود بخود ہو جاتا ہے۔

باقیات اقبال میرے نزدیک یہ اصطلاح مناسب نہیں۔ ہر شاعر یا ادیب کا قلمی اثاثہ اصل میں اس کی باقیات ہوتا ہے۔ جس قلمی اثاثے کو وہ اپنے منتخب کلام سے خارج یا بے دخل کر دیتا ہے۔ وہ اصل میں متروکات ہوتی ہیں۔ اس لیے اقبال کے متروک کلام کو باقیات اقبال کا عنوان دینا ہی مناسب نہیں۔ متروکات پر کسی کا حق نہیں کہ وہ اسے شائع کروا کر اس کی رسائی عام ذہنوں تک کروائے۔ اس سے بہت سے مسائل پیدا ہوتے ہیں۔ کلیات باقیات شعر اقبال ڈاکٹر صابر کلوروی میں متعدد اغلاط ہیں۔ اس میں بہت سا کلام ایسا بھی ہے جو اقبال کا نہیں ہے نہ جانے مسودہ کمیٹی اس پر غور کیوں نہیں کر سکی۔

حال ہی میں ڈاکٹر تقی عابدی (مقیم کینیڈا) کی کتاب باقیات اقبال جسے بک کارنر جہلم نے شائع کیا ہے۔ ڈاکٹر تقی عابدی کا تعلق ہندوستان سے ہے اور وہ اب مستقل کینیڈا میں مقیم ہیں۔ آپ نے کینیڈا میں رہتے ہوئے بہت اچھی کوشش کی کہ باقیات اقبال کو زیادہ سے زیادہ جمع کیا جا سکے۔ کینیڈا جیسے دور افتادہ ملک میں مقیم رہ کر جہاں مواد کی دستیابی آسان نہیں ہے ایک اچھی کاوش ہے مگر افسوس کہ وہ اس زیادہ کی لگن میں بہت سی چیزوں پر باریک بینی سے دھیان نہیں دے سکے۔ ڈاکٹر تقی عابدی نے اپنی تحقیق کا زیادہ تر انحصار ڈاکٹر صابر کلوروی کی کلیات باقیات شعر اقبال پر کیا جو پہلے سے ہی بہت سی اغلاط کا مجموعہ تھی۔ امید یہ تھی کہ ڈاکٹر تقی عابدی اپنی تحقیق میں ان اغلاط کی نشاندہی کر کے ان کا ازالہ کر دیں گے مگر ایسا نہ ہوا۔

ڈاکٹر تقی عابدی نے اپنی تحقیق میں سب سے پہلی نظم کے بارے میں یہ بتایا ہے کہ "علامہ اقبال کی قدیم ترین موجود نظم جو اقبال نے طالب علمی کے زمانے میں سعد اللہ لدھیانوی کے خلاف لکھی۔ اس کا سال تصنیف ۱۸۹۳ء ہے۔ اگرچہ بعد میں یہ نظم ۱۹۱۲ء میں "آئینہ حق نما" کے عنوان سے شائع ہوئی تھی۔ اقبال نے سعد اللہ لدھیانوی جو عیسائی شاعر تھے اور انہوں نے مرزا غلام احمد قادیانی سے متعلق ایک مضمون لکھا۔ اس کے جواب میں یہ نظم لکھی تھی۔"(۵)

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ١٦ سال کی عمر میں اقبال کو کیا مصیبت پڑی تھی کہ غلام احمد قادیانی کی حمایت میں عیسائی شاعر سعدی کی حمایت میں یہ نظم (ہجو) لکھتے۔ پھر لکھنے کے بعد ١٩ سال یہ نظم کہاں غائب رہی اور منظر عام پر نہیں آ سکی پھر یہ ۱۹۱۲ء میں "آئینہ حق نما" کے عنوان سے شائع ہوئی پھر اس نظم کے آخر میں فرہنگ بھی دی گئی ہے حالانکہ اقبال نے خود اپنی کسی نظم کے آخر میں فرہنگ نہیں دی۔ دیکھنا یہ ہے کہ کیا یہ اقبال کا ہی شعری ڈکشن ہے کا وہ ایسی گندی زبان میں ہجو لکھ سکتے ہیں یا یہ کہ ایسی گالیاں دینا کسی اور کا وتیرہ رہا ہے۔ یہ ساری باتیں اس نظم کے بارے میں شبہات پیدا کرتی ہیں۔ ان کے جواب تلاش کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

پہلی بات یہ ہے کہ یہ نظم اقبال کی نہیں بلکہ مرزا یعقوب قادیانی کی لکھی ہوئی ہے۔ یعقوب قادیانی احمدیوں کا پہلا باقاعدہ مورخ ہے۔ یہ مختلف اخبارات میں مدیر رہے۔ انہوں نے ۸ اکتوبر ۱۸۹۷ء کو امرتسر سے اخبار الحکم جاری کیا تھا تاکہ غلام احمد قادیانی کے خلاف مخالفانہ خبروں کی تردید اور ان کی ترجمانی کی جا سکے۔ یہ اخبار مختلف وقفوں اور بندشوں کے باوجود ۱۹۵۴ء تک چلتا رہا۔ یعقوب قادیانی بنیادی طور پر جالندھر کے تھے۔ ۱۸۹۹ء میں یہ لدھیانہ میں مرزا غلام احمد سے ملے۔ لدھیانہ میں ان کے

بہت سے دوست احباب بھی تھے اور وہاں ان کا آنا جانا رہتا تھا۔ ۱۵ دسمبر ۱۹۵۷ء کو سکندر باد میں فوت ہوئے اور حیدر آباد میں تدفین ہوئی۔

ان کا رسالہ آئینہ حق نما دراصل ان لوگوں کی تحریروں پر مشتمل ہے جنہوں نے مرزا غلام احمد کے حق میں لکھا اور ان کے مخالفین کو برا بھلا کہا گیا ہے۔ ان چیزوں کے لکھنے میں مرزا یعقوب کا اپنا ہاتھ زیادہ ہے۔ آئینہ حق نما اچھا خاصا گالیوں اور بدزبانیوں کا ایک مجموعہ ہے ڈاکٹر تقی عابدی جس نظم کا ذکر کر رہے ہیں وہ ان کی کتاب باقیات اقبال کے صفحہ نمبر ۲۷۲ پر "جہیا منہ تئ چپیڑ" کے عنوان سے شامل ہے۔ مرزا یعقوب احمد قادیانی نے یہ سعد اللہ لدھیانوی کے خلاف لکھی تھی۔ سعد اللہ لدھیانوی عیسائی نہیں بلکہ مسلمان تھے۔ یہ مرزا غلام احمد قادیانی کے مخالف تھے۔ مرزا غلام احمد قادیانی نے ان کے خلاف ہجو لکھی تھی جس کا مصرعہ اولی "ایک سگ دیوانہ لدھیانہ میں ہے" اس نظم میں انہوں نے سعد اللہ کو گالیوں اور ہندو زادہ، دین فروش، ملعون، شیطان فطرت جیسے برے القابات سے مخاطب کیا تھا۔

قادیانیوں کا دعویٰ ہے کہ یہ نظم اقبال نے ۱۸۹۳ء میں لکھی۔ اس نظم کا آغاز یوں ہوتا ہے

واہ سعدی دیکھ لی گندہ دہانی آپ کی
مہتروں میں ہوگی قدردانی آپ کی [۶]

یہ نظم یعقوب قادیانی نے رسالہ آئینہ حق نما ستمبر ۱۹۱۲ء میں شامل کی جو اس کے صفحہ نمبر ۱۰۷ پر موجود ہے۔ ڈاکٹر تقی عابدی کا کہنا ہے کہ یہ نظم "آئینہ حق نما" کے عنوان سے شائع ہوئی یہ بات درست نہیں۔ ڈاکٹر تقی عابدی کی تحقیق کے مطابق اگر یہ نظم ۱۸۹۳ میں لکھی گئی تو یہ ۱۹ سال کہاں غائب رہی؟ جہاں سے یعقوب قادیانی نے اخذ کی۔ یعقوب قادیانی نے اس کا کوئی ماخذ نہیں بتایا۔ اس نظم میں مہتروں، خاکروبوں کا ذکر کیا گیا ہے جو سعد اللہ لدھیانوی سے خوش ہوں گے۔ دراصل یہ اشارہ مرزا غلام احمد قادیانی اور عبد اللہ آتھم کی طرف ہے جس کا مرزا غلام احمد سے ایک مناظرہ ہوا تھا۔

یہ تاریخی مناظرہ ۲۲ فروری ۱۸۹۳ء سے ۵ جون ۱۸۹۳ء تک جاری رہا۔ دلائل کی کمی کی وجہ سے مرزا غلام احمد اس مناظرے میں لاجواب ہو گئے تھے چنانچہ انہوں نے عاجز آکر عبد اللہ آتھم کو بد دعا دی تھی کہ تم اتنے عرصے میں مر جاؤ گے۔ مقررہ مدت گزرنے کے باوجود جب عبد اللہ آتھم کو کچھ بھی نہ ہوا اور یہ پیش گوئی سچ نہ ہونے پر ایک کتاب / (پمفلٹ نما) شہاب ثاقب بر مسیح کاذب لکھی تھی جس میں مرزا کو برا بھلا کہا اور سخت تنقید کا نشانہ بنایا تھا۔ [۷]

اس کے رد عمل میں یعقوب قادیانی نے یہ نظم لکھی چونکہ وہ مرزا سے لدھیانہ میں ہی پہلی بار ملے تھے۔ وہاں کے لوگوں سے واقف تھے۔ اس نظم کو کہیں شائع نہیں کروا سکے۔ جب ۱۹۱۲ء میں مرزا کی حمایت میں انہوں نے مواد اکٹھا کرنا شروع کیا تو اس نظم کو بھی اس مواد میں شامل کر کے آئینہ حق نما میں شائع کر دیا۔ ۱۹۳۵ء کے بعد اس میں جعل سازی کر کے کسی اور کے نام کی بجائے اقبال کا نام لکھ کر شائع کر دی۔ غالب گماں ہے کہ اسے اقبال نے شاید دیکھا بھی نہیں ہو گا نہ ہی ان کے غیر مطبوعہ کلام میں یہ شامل ہے مگر صابر کلوروی صاحب نے اسے اقبال اکادمی سے شائع کروا کر اس پر اقبال کا کلام ہونے کی مہر لگا دی اور پھر ڈاکٹر تقی عابد صاحب نے اسے بھی اپنی تحقیق کا حصہ بنایا۔ اگر یہ اقبال کی نظم ۱۸۹۳ء کی ہوتی تو اسے گیان چند جین ابتدائی کلام اقبال میں ضرور شامل کرتے۔ یہ کہنا ہر گز مناسب نہیں کہ گیان چند نے تو ۱۹۰۸ء تک کا کلام شامل کیا ہے کیونکہ ڈاکٹر صابر کلوروی اور تقی عابد صاحب دونوں کا دعویٰ ہے کہ یہ ۱۸۹۳ء کی نظم ہے تو گیان چند اسے پہلی نظم کے طور پر ہی لیتے۔ اگر یہ واقعی اقبال کی ہوتی انہوں نے تو اپنی کتاب ۱۹۰۴ء میں شائع کی ہے۔ اس نظم کا ڈکشن اقبال کا نہیں ہے۔ یہ اتنی غلیظ، سوقیانہ، عامیانہ اور گھٹیا ہے کہ اس کو اقبال سے منسوب کرنا ہی بہت بڑی ادبی غلطی ہے۔

اب ایک اور نظم کی طرف آتے ہیں جو اسی کتاب میں موجود ہے۔ اس نظم کا عنوان "مرغ اسیر کی نصیحت ہے" اس نظم کا پہلا شعر :

اک مرغ ہوا اسیر صیاد
دانہ تھا وہ طاہر چمن زاد(۸)

ایک تو اس کے دوسرے مصرے میں "طائر" کی بجائے "طاہر" درج ہے جو کہ "طائر" ہونا چاہیے. یہ یقیناً صحت تلفظ کی غلطی ہے۔ ڈاکٹر تقی عابدی نے اپنی تحقیق کے مطابق اس نظم کا ماخذ کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ نظم اردو کی چھٹی کتاب مرتبہ لالہ سورج نارائن صاحب مہر ۱۹۰۴ء صفحہ ۸۶ میں شامل ہوئی۔ نظم پر اقبال کا نام درج ہے۔ اس کتاب میں دیگر نظمیں ان کے نام کے بغیر چھپی ہیں۔ مثلاً بلبل کی فریاد، دعا، چاند اور شاعر وغیرہ۔ نظم کا ڈکشن اقبال کا ہی معلوم ہوتا ہے۔ کتاب پنجاب ٹیکسٹ بک کمپنی پنجاب نے تیرت اینڈ سنز سے شائع کی۔ یہ پانچویں جماعت کے لیے مرتب کی گئی تھی۔

جب کہ حقیقت یہ ہے کہ "مرغ اسیر کی نصیحت" ۱۶ اشعار پر مشتمل یہ نظم علامہ اقبال کی نہیں بلکہ یہ مثنوی گلزار نسیم از پنڈت دیا شنکر نسیم کا حصہ ہے جو مثنوی کے انیسویں عنوان "حکایت نصیحت گری مرغ اسیر اور نافہمی صیاد کی" کے تحت شامل ہے۔ اس کا پہلا شعر ہے:

اک مرغ ہوا اسیر صیاد
دانہ تھا وہ طاہر چمن زاد (۹)

یہ مثنوی ۱۸۳۸ء میں لکھی گئی تھی۔ میرے پاس اس وقت اصغر حسین خان لدھیانوی کی مرتبہ گلزار نسیم ہے۔ اس میں یہ مثنوی گلزار نسیم کا یہ حصہ صفحہ ۴۹ پر ہے۔ اب اگر ان چیزوں کی نشاندہی نہ کی جائے تو مستقبل میں بے شمار مسائل پیدا ہوں گے۔ اس تحقیق کی بنیاد پر یہی کلام عوام تک پہنچے گا اور لوگ علامہ اقبال کے متعلق کہیں گے کہ انہوں نے یہ نظم گلزار نسیم سے معاذ اللہ سرقہ کی ہے۔ آج کل ہماری جامعات کا جو تحقیقی معیار ہے وہ سب پر عیاں ہے۔ سوشل میڈیا کے ذریعے جو پروپیگنڈہ کیا جارہا ہے اس سے سب واقف ہیں

باقیات اقبال از ڈاکٹر تقی عابدی کے صفحہ نمبر ۴۴۲ پر ایک اور "نظم معرٰی" شامل ہے۔ اس نظم کے بارے میں ڈاکٹر صاحب بتاتے ہیں کہ یہ نظم اودھ پنچ جلد نمبر ۱۹، ۴۶ بسلسلہ منتخبات جلد ۱۹۳۳ء ۸ صفحہ ۹۱ کلام اقبال نادر اور نایاب رسالوں کے آئینے میں از حضرت ڈاکٹر اکبر حیدری صفحہ ۴۵۵۔

مودبانہ عرض یہ ہے کہ یہ نظم علامہ اقبال کی نہیں بلکہ حفیظ جالندھری کی ہے جو ان کے مجموعہ کلام نغمہ زار میں چوتھے نمبر پر ہے۔ حفیظ جالندھری کے یہاں اسی نظم کا عنوان فرصت کی تلاش ہے۔ اس نظم کے کل ۱۶ اشعار ہیں اور اس کا آغاز اس طرح سے ہوتا ہے۔

وقت گزرتا ہے فرصت کی تمنا میں
جس طرح کوئی پتا بہتا ہوا دریا میں
ساحل کے قریب آکر چاہیے کہ ٹھہر جاؤں (۱۰)

اقبالؒ ایک ایسا شاعر ہے جس کے مصروں کی بُنت، شعری ڈکشن، آہنگ اور کرشماتی تاثر اردو شاعری میں کسی بڑے شعری اعجاز سے کم نہیں۔ جس طرح انسانی جسم کسی معمولی سے کانٹے کو بھی برداشت نہیں کرتا اسی طرح اقبال کا شعری نظام بھی کسی دوسری آمیزش کے متحمل نہیں ہوتا۔ صرف سید صادق حسین ایڈووکیٹ کاظمی کا ایک شعر "تندی باد مخالف سے نہ گھبرا اے عقاب" والا کئی سال تک مسئلہ بنا رہا۔ اب تقریباً اس کا حل ہوا ہے مگر کلیات اقبال، کلیات باقیات اقبال میں جو اس سے سینکڑوں اشعار دوسروں کے شامل ہو گئے ہیں اور انہیں عوام تک رسائی

دے دی گئی ہے نہ جانے یہ کتنی صدیاں مغالطے پیدا کریں گے۔ اس کا تدارک کرنا مشکل ہو جائے گا۔ میں نے باقیات اقبال کا مطالعہ کر کے اپنا فریضہ نبھا دیا ہے۔ آگے اللہ کی مرضی۔ میرے نزدیک متروکات اقبال کی عوام تک رسائی دینا کسی بھی صورت اقبال دوستی نہیں بلکہ مزید مغالطے پیدا کرنے کے مترادف ہے۔

حوالہ جات و حواشی

(۱) اقبال، علامہ، کلیات اقبال اردو، اقبال اکادمی لاہور، طبع دہم ۲۰۱۸ء، ص ۱۸۶

(۲) مظفر حسین برنی، سیّد، (مرتب)، کلیاتِ مکاتیبِ اقبال، جلد اول، اردو اکادمی دہلی، ۱۹۹۳ء، ص ۷۲

(۳) ایضاً، جلد دوم، ص ۷۷

(۴) ممتاز حسن، ڈاکٹر، (مرتب)، اقبال اور عبدالحق، مجلس ترقی ادب کلب روڈ لاہور، ۱۹۷۲ء، ص ۷۳۰

(۵) تقی عابدی ڈاکٹر، باقیات اقبال، بک کارنر، جہلم، اکتوبر ۲۰۲۳ء، ص ۱۲

(۶) ایضاً، ص ۲۷۲

(۷) بشیر احمد ایم-اے، اقبال اور قادیانیت، مجلس علم و دانش راولپنڈی، اگست ۲۰۰۶ء، ص ۱۸

(۸) تقی عابدی ڈاکٹر، باقیات اقبال، ص ۴۴۱

(۹) شنکر دیا نسیم پنڈت، گلزار نسیم، عشرت پبلشنگ ہاؤس، انار کلی لاہور س، ن ص ۴۹

(۱۰) حفیظ جالندھری، کلیات حفیظ جالندھری، (مرتبہ خواجہ محمد زکریا)، الحمد پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۵ء، ص ۷۰